کلام اقبال میں تصورِ انسانیت

ڈاکٹر علی محمد بٹ

At the end of the 20th century, trends were developing at the global level that threatened the concept of humanity. As a result of global imperialist thought, efforts were being made by one nation to dominate another nation. The capitalist and secular life system also led man to the path of selfishness, due to which today's man forgot his values and morality. The concept of humanity is that man be sympathetic to your fellow beings and be connected to the human race by pleasant relations and good thoughts. Complete harmony in society plays the main role to maintain healthy human interaction. Allama Iqbal has comprehensively mentioned the concept of humanity and basic values in his Urdu and Persian poetry. He has called lust as the reason for the division of mankind and has talked about universalizing brotherhood and love. According to Allama Iqbal, Western imperialism leads to ignorance, luxury and destruction of humanity. The mention of social, political and economic problems in Allama Iqbal's poetry is actually the result of his concern for humanity.

بیسویں صدی کے آخری عشرہ اور اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی تمام دنیا میں سیاسی اور اقتصادی بے چینی عروج پر دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہر طرف انسان مختلف قسم کے مصائب کا شکار ہو کر انسانیت لبِ دام پر آ گئی تھی اور کہیں سے اس کو بچانے کے لیے نہ کوئی آواز اور نہ کوئی جدید فلسفہ رہنمائی کر پا رہا تھا۔ اس کے برعکس عالمی سامراجی قوتوں اور سامراجی سوچ رکھنے والے اقوام کے تیور انسانوں کو نگلنے کے لیے بے تاب تھے اور ہیں۔ یہ حالات علاقائی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر عیاں را چہ بیاں ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کو نیچا دِکھانے کے لیے انسانوں کو تہہ تیغ کرنے کے درپے ہے۔ افراتفری، شوشہ بازی اور ذرائع ابلاغ کے جھوٹ نے اس کو شباب بخش کر اِن مصیبت زدہ حالات کو چار چاند لگا دیا۔ کوئی انسان دوسرے کی پروا کیے

بغیر اپنے مقاصد کو حاصل کرنے اور دنیائی زندگی کی لذتوں کو سمٹنے کے لیے آنکھیں بند کر کے رواں دواں ہے۔ انسانیت خون کے آنسو رو رہی ہے مزید یہ کہ پڑھے لکھے لوگ اپنے قلم اور تقاریر سے اس آفت زدہ ماحول کو گرم رکھنے میں مصروف ہیں، اس تمام کے پیچھے ہر سمت چاہے علاقائی ہو یا بین الاقوامی سطح پر سیاسی اور اقتصادی تبدیلی کارفرما ہے۔ اس لیے دور حاضر میں انسانیت کو کم اور اقتصادیت کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے کمزور اقوام پر مظالم کے پہاڑ انسانوں کے ہاتھوں ڈھائے جا رہے ہیں۔ دورِ جدید میں نفس پروری اور شہوت رانی کے قصد سے جسم کی پرورش پر زیادہ زور دیا جا رہا ہے کیونکہ اس کے پیچھے سرمایہ دارانہ اور سیکولر نظام حیات ہے جس نے انسان کو اسفل سافلین کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔ اس لیے یہ سمجھنا بالکل غیر فطری ہے کہ مقصد زندگی کا مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ ہے۔ لیکن آج کا انسان تمدنی زندگی کی بھول بھلیوں میں کھو کر اپنے اقدار اور اخلاقی قدریں بھول گیا ہے۔ بے شمار انسان ایسے ہیں جنھیں شاید عمر بھر میں ایک مرتبہ بھی سنجیدگی کے ساتھ اس مسئلہ پر غور کرنے کی توفیق نہیں ہوئی ہوگی اور کتنے ہی ایسے ہوتے ہوں گے جنھیں غور و فکر کا موقع ملا بھی تو وہ اس پر سے سرسری طور سے گزر گئے اور ایک سطحی رائے قائم کر کے اپنے نفس کو مطمئن کر بیٹھے۔ انسانیت کا تصور ایک وسیع فلسفہ کا متحمل ہے۔ اس کا عام اور وسیع مفہوم یہ ہے کہ یہ انسان کو دوسری مخلوق سے مختلف اور ہمدرد بنا دیتا ہے یہ انسان کے اندر شعور اور صحیح و غلط میں فرق کرنے کی تمیز پیدا کرتی ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں انسانیت انسانوں کے درمیان اُنسیت پیدا کرتی ہے۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ تصور انسانی نسل سے قریب سے جڑا ہوا ہے اور مشترکہ طور پر اور عام طور پر انسانی نسل کے خوشگوار تعلقات اور نیک خواہش کا نام ہے۔ دوسری طرف، انسانیت وہ شفقت اور احساسیت ہے جو انسان کو اپنے گھر والوں، دوستوں، پڑوسیوں اور اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کے لیے اظہار کرتا ہے۔ یہ احساسیت اس کے عمل سے ہمیشہ ظاہر ہوتی ہے اس کے بنیادی مقاصد کو سمجھنے اور روبہ عمل لانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ یہ احساس اور دردمندی انسانوں کے اندر پیچیدگیوں کو آسانی اور نقصانات کو انسانی فوائد میں تبدیل کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اس بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ:

تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں
بینا ہے اور سوز دُروں پر نظر نہیں
مَیں جوشِ اضطراب سے سیماب وار بھی
آگاہِ اضطرابِ دلِ بے قرار بھی
تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بے نیاز کا
احساس دے دیا مجھے اپنے گداز کا[۱]

معاشرے میں مکمل ہم آہنگی سے لطف اندوز ہونے کے لیے انسانیت انسانی سلوک کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے وہ سوچ جو احساس کی مخالف ہوتی ہے ظلم کہلایا جاتا ہے اس کے برعکس انسانیت، ایک ظالمانہ، غیرانسانی عمل اور دوسروں کی تکالیف کے بدلے ہمدردی کا اظہار اور شفقت کا نام ہے۔ اس لیے عملی اور علمی میدان میں انسانیت ہی وہ علم ہے جو زبان، ثقافت اور فن جیسے مضامین سے رجوع کرنے کے لیے انسان کے احساسات اور جذبات کی قدر دانی پر مامور کرتا ہے اور مقام محمود تک لے جاتا ہے۔ انسانیت کی بنیاد پر ہی اللہ نے انسانوں کو اشرف المخلوقات کا درجہ عطا کیا ہے کیونکہ انسانیت کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ نبیوں، ولیوں اور پیروں جیسا بلند مقام اسی انسانیت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اسی لیے وہ محسن انسانیت کے لقب سے نوازا و سرفراز کیا گیا۔ لفظ انسانیت کے مختلف پیرائے ہیں جہاں اس کا مطلب کردار کی عظمت کی وارث ہے وہیں اس کا مطلب عظیم ترین مخلوق کا احساس ہے جو مخلوق انسانی وجود کو بقائی باہمی اور حق پرستی وسچائی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اس کے لیے بہت زیادہ محنت اور لگن کی ضرورت ہے۔

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر[۲]

آسان لفظوں میں انسانیت یہ ہے کہ جب کسی آدمی کے اندر کردار کی عظمت حقیقت کی چھاپ اور بُرائیوں سے دور رہنے کی صلاحیت اور ہمدردی، بھائی چارہ، انصاف اور مساوات کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں تو اس قسم کے کردار کو انسانیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس انسانیت پر سیاہ بادل چھا جاتے ہیں جب کسی کا کردار برائی کی حدوں کو چھونے لگتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے اندر انسانیت ہی نہیں رہی۔ انسان کی انسانیت تب ختم ہوتی ہے جب اسے دوسروں کے دکھوں پر ہنسی آنے لگے۔ اس لیے عصر حاضر میں جس فلسفہ کو پڑھنے کی ضرورت سب سے زیادہ ہے وہ انسانیت ہے۔ انسانیت ایک بہت بڑا خزانہ ہے اسے لباس میں نہیں انسان میں تلاش کیا جاتا ہے۔ جس گھر میں تعلیم اور نیک ماں ہو وہ گھر تہذیب اور انسانیت کی یونیورسٹی ہے۔ اگر کوئی عظمت کی بلندیوں کو چھونا چاہے تو اسے اپنے دل میں انسانیت کے لیے نفرت کے بجائے محبت آباد کرنا ہوگا۔ جب ضمیر ملامت کرنا چھوڑ دے تو سمجھ جاؤ اب انسانیت ختم ہوگئی۔ انسان بڑھتے جارہے ہیں انسانیت ختم ہوتی جارہی ہے۔ انسان جب تک اپنا مول نہیں لگاتا انمول کہلاتا ہے۔ اسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں اقبال نے ایک درد بھرا پیغام اپنے کلام کی زینت بنایا، علامہ اقبال کے کلام اور نظام افکار کی ایک نمایاں خصوصیت انسانیت کی تکریم کا فلسفہ ہے۔ اس خصوصیت نے اقبال کو ایک عالمی اور آفاقی شاعر بنا دیا ہے وہ درد جو قوموں اور حکومتوں نے پس پشت ڈال

دیا اس کو اقبال نے اپنے کلام میں بھرپور انداز میں اُجاگر کیا ہے۔ مختلف شعراء جو تصوف کے حامل تھے انھوں نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث تو کی لیکن حقیقت میں اقبال نے جس انداز سے انسانی عظمت اور درد کو اپنا موضوع کلام بنایا وہ اُن کی انفرادی شخصیت کی معراج ہے اس لیے ہر مسلک اور قومیت کے انسانوں نے اس کی تحسین کی اور اقبال کے کلام اور شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ درحقیقت انسانیت کا جو درد اقبال نے اپنے کلام میں سمیٹ لیا وہ اُن کے اعلیٰ ادبی معیار کی ایک جھلک ہے۔ موضوع انسانیت کے لیے اقبال نے قرآن کو اپنا ہادی، جلال الدین رومی کے عشق کو اپنا رہنما بنا کر علاوہ ازیں عبد الکریم جیلی کے انسان کامل، اور رومی کے انسان خاص اور اقبال کے مردِ مومن کا منبع قرآن ہے۔ اگر چہ اکثر دیکھا گیا کہ کچھ اصطلاحات کو بعض افراد اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں مگر انسانیت دنیا کا واحد رشتہ ہے جو صحیح اور غلط میں تفریق کر کے دیتا ہے اور اس طرح کھوٹے اور کھرے کو الگ الگ کر کے پیش کرتا ہے۔ علامہ اقبال نے اُس دور میں اپنی شاعری کا آغاز کیا جب ہندو اور مسلمانوں کے درمیان فرنگیوں نے عداوت کی لہر دوڑائی اور تفریق کے بیج برگ و بار لا رہے تھے، اس میں کچھ سیاست دانوں کے طفیل سے جو اس میں اپنے مفاد کے لیے شدت پیدا کی گئی اور اس فضا اور ماحول کو علامہ اقبال نے جانچا تو انھوں بغیر کسی لیت ولعل اور بے دھڑک انداز میں کہا:

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکرے نوعِ انسان کو
اخوت کا بیاں ہوجا، محبت کی زباں ہو جا[۳]

اقبال کے نزدیک کائنات کی تمام مخلوق میں تخلیق انسان، سب سے بہترین تخلیق کا مظہر اور نمایاں کارنامہ ہے۔ اس کی شروعات ایک حقیر مادہ سے ہو کر تخلیق کائنات میں احسن تقویم تک پہنچی ہے۔ انسان نے بظاہر سورج کی توانائی پر قابو پالیا اور اس کے ساتھ ساتھ اگر "انا البحر وانا الحق" کا نعرہ بھی لگاتا رہا جو انسانی چاہتوں کی حد کو کھول کر بیان کر دیتا ہے اس کے ہنگامہ ہائے نو بہ نو کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اقبال نے انسانی تہذیب میں سب سے زیادہ احترام آدمیت کو دی نہ کہ مادی ترقی کو۔ کیونکہ وہ تصور آدمیت کو قرآن سے اخذ کرتے ہیں اس لیے اس کی بہت زیادہ تکریم وعزت فرما کر اپنے فارسی کلام میں لکھتے ہیں:

برتر از گردوں مقام آدم است
اصل تہذیب احترام آدم است[۴]

مغرب کے انسان سوز فلسفہ میں انسان ایک سماجی حیوان ہے جب کہ اقبال کا انسان اخوت و انسانیت کا پیکر ہے یعنی وہ اشرف المخلوقات کیونکہ اس کو قرآن میں "احسن تقویم"[۵] کہا گیا ہے۔ اس کا دل انسانی بھلائی کے لیے دھڑکتا ہے اور انسان کو ایشور کے اوصاف سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ ہم سب جانتے ہیں

کہ اقبال کی شاعری کا موضوع انسان ہے لیکن مغرب کی تعلیم نے رشتۂ انسانیت کو مختلف خانوں میں بانٹ دیا ہے آج جو انسانیت کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی ہے وہ اسی مغربی سامراجی دماغ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مغرب نے انسانوں کو مختلف حصوں میں منقسم کیا ہے پہلے پہل اقبال نے بھی انھی نظریات کی حامی بھری اور وہ بھی انسانیت کے بدلے مخصوص نظریات جیسے قومیت اور وطنیت کا درس دینے لگے۔ بعدازاں جب انھوں نے مغربی نظریات اور اس کی تہذیب کا قریب سے جائزہ لیا اور اس کی تہذیب کے گہری وادیوں میں غوطہ زن ہوئے تو اس کی ظاہری چمک دمک کو انسانیت کے لیے موت سے تعبیر کیا ہے اور ان کا ضمیر اُن کی آواز بن کر پکار اُٹھا اور برملا کہا:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پر آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی[۶]

علامہ اقبال نے مغربی سامراجیت کا ایک محققانہ تجزیہ پیش کر کے ان کی جہالت، وحشت، اور ہوس پرستی کے ساتھ ساتھ اُن کی تخریبی فکر کا خوب ذکر کیا۔ حالانکہ اقبال اچھائی کی مدح سرا تو تھے ہی مگر وہ بُرائی کو ہدف تنقید بنانے سے باز نہیں رہتے تھے۔ وہ ذاتی مفاد کے بجائے اجتماعیت کو اہمیت دے رہے تھے علامہ اقبال کی اہم بات یہ ہے کہ وہ ایک مُفکر کی حیثیت سے مطالعہ کرتے تھے اس لیے مسلمانوں یا دیگر نظام ہائے زندگی میں جو خرابیاں پاتے تھے اُس پر لب کشائی کرتے تھے۔ اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ؛

آزادیِ افکار سے ہے اُن کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادیِ افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ![۷]

اقبال نے ہمیشہ عظمتِ انسان کے تمام گوشوں کو نمایاں کیا ہے اور انسانیت اور انسانی عظمت سے متعلق ان کے نظریات کافی حد تک قرآنی تصورات پر مبنی ہیں۔ قرآن انسان کو ایک ذمہ دار کی حیثیت سے اُبھارتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اقبال نے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو مشعل راہ قرار دیا ہے۔ کلام اقبال میں تصور انسانیت کا درس پورے کمال کے ساتھ جلوہ افروز ہے گرچہ کچھ کج ذہن نے اقبال کو مذہبی جنونی قرار دے کر اس کے کلام کو یک طرفہ کر دیا مگر وہ عالم گیر شاعر اور مشرق کے نجات دہندگان سے کم نہیں ہیں۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان نفرت کا جو بیج انگریزوں نے بویا تھا اقبال نے انسانیت کا درس دے کر اس کی شدت کو کم کرنے کی بھرپور کوشش کی مگر مفاد پرست سیاست دانوں نے اس کو زندہ رکھا اور اس کا خمیازہ ہندوستان کے عام شہری بھگت رہے ہیں۔ اقبال ہندو مسلم اتحاد کا حامی تھا مگر کچھ سیاسی

مفاد پرستوں نے اُن کے انسان پرست مقصد کو فرقہ واریت کا رنگ دے کر انگریزوں کے مقصد ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کو شرمندہ تعبیر کیا ہے اور یہی آج کل ہو رہا ہے۔ ہندوستانی تہذیب دنیا کی سب سے پرانی اور یہاں مسلمانوں کی رواداری امریکہ اور دوسرے بیش تر یورپی ممالک سے زیادہ پُرانی ہے مگر ابھی بھی مشرق کے لوگ انگریزوں کی غلامی میں فخر محسوس کرتے ہیں اور یہاں کا انسانی وقار ابھی بھی لبِ دام ہے۔ اس کی بنیادی وجہ آپسی اختلاف ہے۔ ان اختلافات کی بنیاد پر پختہ کار لوگ کہاں سے لائیں گے، اُن کو جب تک اپنے شعور کی اور اپنے ماحول اور اپنی تہذیب کی اہمیت کا احساس نہ ہوگا تب تک اعمال کی پختہ کاری ممکن نہیں ہے:

پختہ افکار کہاں سے ڈھونڈنے جائے کوئی
اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام
مردہ لادینی افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطیِ افکار سے مشرق میں غلام![۸]

اقبال کی شاعری کا کمال یہ ہے کہ اگرچہ بعد ازاں اس نے اسلامی رُخ اختیار کر لیا مگر رام کا ذکر بھی ملتا ہے اس لیے رام کے نام سے ایک نظم لکھ ڈالی جس میں رام کو امام ہند کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس سے یہی سبق حاصل ہوتا ہے کہ وہ برصغیر کے ہندوؤں کو مسلمانوں کے ساتھ ایک مضبوط سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح دیکھنا چاہتے تھے کیونکہ وہ رام کو ہندوستانی تہذیب کا عظیم نمونہ مانتے تھے جس کی شخصیت پاکیزہ، محبت والفت سے بھری، ایثار کے جذبہ سے سرشار اور بھائی چارہ کی امتزاج ہے۔ یہ وہی رام ہے جس نے سرکشوں اور راکشسوں کی سرکوبی کی اور نہتے اور مظلوم کی دادرسی کی۔ انھوں نے اُن کے ایثار اور اخلاق کی دادرسی کی اور کمزوروں کا مداوا کیا۔

ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کو ناز
اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند
اعجاز اُس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
روشن تر از سحر ہے زمانے میں شامِ ہند[۱۰]

اگر اقبال کی تعلیمات کو دیکھیں تو اس میں انسانیت کا عظیم درس چھلکتا ہے انھوں نے نہایت فراخدلی اور وسیع المشربی سے اس کا اقرار کیا ہے۔ اُن کا دل نہ ہندوستان سے برداشتہ تھا اور نہ وہ ہندو قوم سے نفرت کرتا ہے۔ یہ پوری طرح واضح ہے کہ اقبال کی شاعری میں پورے عالمِ انسانیت کے لیے ایک اہم پیغام ہے جس میں وہ غریبوں اور مزدوروں کو بیدار کرنے کی مہم کا درس دے کر انسانیت زندہ رکھنا چاہتے تھے۔

اٹھو! میری دنیا کے غریبوں کو جگادو
کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقان کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو[۱۰]

اِن اشعار میں کہیں بھی ایسا تاثر نہیں ملتا کہ وہ انسانیت میں شگاف پیدا کرنا چاہتے تھے بلکہ وہ ایک احساس پیدا کرنا چاہتے تھے کہ جس میں ہر ایک کے حقوق محفوظ ہوں اس طرزِ عمل کی نصیحت مسلمانوں کو بھی کی ہے تاکہ وہ بھی انسانوں کے درمیان تفریق پیدا نہ کریں اس لیے انھوں نے اُن کو فرقہ پرستی سے بچنے کے لیے نوعِ انسان سے محبت اور بھائی چارہ سے زندگی گذارنے پر زور دیا ہے۔

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو[۱۱]
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں[۱۲]

دورِ جدید میں متعدد قوموں کے اندر قدامت پسندی اُبھر رہی ہے جو انسانیت کے لیے سم قاتل سے کم نہیں ہے یہ نظریہ برصغیر میں سیاسی قوت کی حیثیت سے اُبھر کر ایک مفسد قوت کی طرح سامنے آتا ہے۔ اگر اس پر قابو پایا گیا تو اس خزاں رسیدہ سماج میں اخلاقیات اور انسانیت کے آثار بہت جلد دم توڑ دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قدرتی آفات اور رسوائی کا سامنہ کرنا پڑتا ہے اور یہ طرزِ زندگی زوال پذیری کی طرف گامزن ہے اور یہ بگاڑ کی گھن دیمک کی طرح کھا رہی ہے۔ انسانیت کا جنازہ نکلا جاتا ہے انسان لڑائی جھگڑوں، گالی گلوچ، ظلم و زیادتی، فساد اور حق تلفی میں ملوث ہو کر انسانیت کو بھول جاتا ہے۔ انسان دشمنی، تعصب اور عصبیت جیسے غلیظ اخلاق کش اقدار اور ناپاک تصورات نے شرم سار کیا ہے

تا نداری از محمد رنگ و بو
از درود خود میالا نام او[۱۴]

اقبال کا کہنا ہے کہ اگر تمھاری سیرت و کردار، اخلاق واطوار اپنے نبی کریم ﷺ کے رنگ و بو سے بہرہ ور نہیں یا تم سے آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کی بو نہیں آتی تو تمہیں قطعاً یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ اپنی ناپاک زبان سے آپ ﷺ کا نام پاک لینے کی جسارت کریں۔ اخلاق کسی بھی قوم کی زندگی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتی ہو۔ اخلاق دنیا کے تمام مذاہب کا مشترکہ باب ہے جس پر کسی کا اختلاف نہیں۔ اقبال ہمیں انسانیت، محبت، یگانگت، بھائی چارہ اور پُر امن زندگی

گزارنے کی راہ دکھاتا ہے اور اگر اقبال کے تصور مذہب سے فیض یاب نہیں ہوں گے تو اس کا انجام بھی مزید پریشانیوں اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہنے کے سوا کچھ نہیں۔ مثنوی اسرار خودی میں انھوں نے انسانیت کے درس کی حکایت موسوم بہ مکالمہ ہمالہ وگنگا اور حکایت شیخ و برہمن و مکالمہ میں نصیحت کی کہ اپنے مذہب کے مطابق اپنی تعمیر کریں۔

گر ز جمعیت حیات ملت است
کفر ہم سرمایہ جمعیت است
من نگویم از بتاں بیزار شو
کافری؟ شایستہ زنار شو [۱۵]

انسانیت کو زندہ رکھنے کے لیے متحد رہنا اور آپس کے تعلقات بہتر رکھنا ضروری ہے کیونکہ اتحاد کے بغیر کوئی قوم زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتی ہے اور کفر سے بھی اتحاد پیدا ہوسکتا ہے اور ایک قوم بن جاتی ہے انسان کے اندر اتحاد اور جذبہ ایثار پیدا ہو کر مقصد انسانیت پایہ تکمیل تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح اقبال نے زرتشت اور گوتم سے جو تعلیمات منسوب کی ہیں ان کی بعض باتوں میں رواداری اور بے تعصبی کی روح کار فرما ہے یہ شعر گوتم کی تعلیمات کی نقیض ہے

از خود اندیش و ازین بادیہ ترسان مگذر
کہ تو ہستی و وجود دو جہان چیزی نیست [۱۶]

اقبال انسانی مساوات کو اُجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مغربی دنیا نے بھی مساوات کا درس تو دیا مگر کبھی اس کو حقیقی معنٰی میں استعمال نہیں کیا جب کہ مسلمانوں نے عملاً دنیا کو دکھا دیا اور اس وحدتِ مبداء زندگی کو اقبال الٰہی تعلیمات کا سنگ بنیاد گردانتے ہیں۔ علامہ اقبال انسانی مساوات کو انسانیت اور ریاست کا اہم جُز قرار دیتے ہیں اس بارے میں وہ توحید اور ریاست کے باہمی تعلق کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "The essence of "Tawhid" as a working idea is equality, solidarity and freedom. The State, from the Islamic stand point, is an endeavour to transfrom their ideal principles into space-time forces, and aspiration to realize them in a definite human oranganisation."

ایک عملی نظریہ کے طور پر توحید کا جوہر مساوات، یکجہتی اور آزادی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے ریاست ان مثالی اصولوں کو زمان و مکان کی قوتوں میں تبدیل کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور ان کا ادراک کرنے کی خواہش ایک یقینی انسانی تنظیم ہے تا کہ نا برابری نہ پھیل جائے۔ [۱۷]

اقبال نے جو انداز بیان سمجھانے کے لیے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ کسی نلکی میں سے پہلے ہوا نکال کر ہی اس میں دوسری ہوا داخل کی جا سکتی ہے۔ دین محمدیﷺ کا ظہور اس وقت ہوا جبکہ دنیا کو نئی زندگی کی ضرورت تھی ایسے وقت میں انسانیت کو کسی ایسے سہارے کی ضرورت تھی جو تہذیبی طور سادہ اور انسان دوست ہوتا کہ بھٹکتی ہوئی انسانیت کی رہنمائی کر کے انسانیت کو دوام بخشے۔ اسی لیے علامہ اقبال نے فرمایا کہ یہ بات قابل غور ہے کہ دین اسلام کی ابتدا ایک ایسی سادہ لوح قوم میں ہوئی جو قدیم تہذیب سے بالکل مختلف ہے اور علاقہ مختلف براعظموں کو آپس میں ملاتا ہے۔ اس نے عالم دنیا کو علاقایت اور رنگ و نسل کے امتیازات سے آزاد کر کے اتحاد عالم کی بنیاد اصولِ توحید پر رکھی۔ اسی وجہ سے علامہ اقبال نے قومیت کے جارحانہ نسل پرستی، فسطائی غلبہ پسندی اور متعصّبانہ وطنیت کے محدود نظریئے پر تنقید کی۔

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اسی سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اسی سے[۱۸]

حیات انسانی پر علامہ اقبال کی گہری نظر تھی اس کی واضح تر نمود ان کے عشق، استغنا، خودی پر مبنی تصورات کی صورت میں ہوئی اس کی سب سے مربوط ترین شکل اُن کے کلام میں تصور ''انسان کامل'' ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک سچا اور کھرا مسلمان خاشاک کے تودے کو کوہِ دماوند نہیں کہہ سکتا۔ بغیر کسی محنت اور تگ ودو کمال میسر نہیں ہوتا اس لیے انسان کے ذرے ذرے میں ذوق وشوق اور انسانی ہمدردی کا جذبہ ہونا چاہیے۔ انسان کی دنیا حاصل کرنے کی تگ ودو بے معنی اور اُس کا نگین جھوٹا ہے نہ اس سے انسان سیر ہوتا ہے اور نہ اُس سے اس کی خواہش پوری ہوتی ہے نتیجہ یہ نکلتا ہے انسان نفسانی خواہشات کا غلام بن کر خودی کو پہچاننے سے قاصر ہے۔

نگاہ وہ نہیں ہے جو سُرخ و زرد پہچانے
نگاہ وہ ہے کہ محتاج مہر و ماہ نہیں[۱۹]
یہی آئینِ قدرت ہے، یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گام زن، محبوب فطرت ہے[۲۰]

مشکل ہے کہ اک بندۂ حق بین و حق اندیش
خاشاک کے تودے کو کہے کوہِ دماوند[۲۱]

ایک باصفت انسان کے لیے اقبال نے جو اوصاف گنوائے وہ مردِحق، مردِقلندر اور انسان کامل ہیں۔ اقبال ایک سچے انسان دوست کی تلاش میں تھے۔ علامہ اقبال اس شخص کو عیش پرست، ظالم اور بدکرداری سے بہت دور تعبیر کر رہے ہیں کیونکہ وہ آسائش طلبی اور عیش کوش زندگی کو قوموں کے لیے موت قرار دے رہے ہیں۔ اس کے برعکس وہ اس کو جفاکش، سخت کوش، اور محنتی انسان سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس انسان کامل کو وہ شاہین سے تعبیر کرکے اس کے رزق اور حق پرستی کی داد دیتا ہے۔ وہ مردقلندر دوسروں کے احساسات اور ضرورتوں کو ترجیح دیتا ہے تاکہ وہ اپنے گرد و نواح کے ظالموں کی سازشوں کے اژدھا کا علاج کر سکے۔

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد[۲۲]

اقبال انسان کی تمام تر صلاحیتوں اور مخفی امکانات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ایک لائحہ عمل پیش کرتے ہیں یہ لائحہ عمل اسرارِ خودی اور رموزِ بےخودی کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ اقبال نے انسان کو کامل بنانے کے لیے تین اصول وضوابط پیش کیے ہیں اُن میں پہلا اطاعت، دوسرا ضبطِ نفس اور تیسرا نیابت الٰہی ہے جو انسان اِن مراحل کو طے کرتے ہیں وہی اقبال کی نظر میں انسانی عظمت کے بلندترین مقام پر فائز ہو جاتے ہیں۔ اس لیے انسان کامل وہ ہے ''جس کا شعور پوری طرح بیدار ہو چکا ہو جس کی سوچ اس حد تک ترقی کر چکی ہو کہ وہ ہر پیش آنے والی صورت حال پر مثبت جواب دے سکے وہ عصری حالات سے اوپر اُٹھ کر حقائق کو دیکھنے والا بن چکا ہو''[۲۳] ایسا انسان اگر کوئی مقام حاصل کرتا ہے تو وہ غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ مزید حق کا علم بردار بن کر انسانیت کا خدمتگار بن جاتا ہے۔ وہ ہر مظلوم کی دادرسی کرتا ہے ایسا انسان کوئی بھی ترقی کرے وہ دوسروں کے لیے دردِسر نہیں بنتا ہے بلکہ وہ ایک تریاق بن کر انسانیت کا مداوا کرتا ہے اس کے برعکس مغربی سوچ رکھنے والے اپنے مفادات کے تحفظ میں لگے رہتے ہیں۔ اسی لیے وہ مغربی تہذیب کو تنقید کا نشانہ بنا کر اس کو بےمرکز اور ایک خاردار جنگل کی طرح پھیلا ہوا تصور قرار دیتے ہیں جس کا کوئی مرکزِ ثقل نہیں ہے اور اس کو انسانیت کے لیے زہر قاتل سے تعبیر کرکے انسان کو انسانوں سے بےتعلقی، خلقی رشتوں کی سردمہری اور ایک قسم کی بےکیفی کی زندگی کا مظہر بن چکا ہے۔

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا[۲۴]

اصل میں لفظ ’آدم‘ انسانیت کا خاکہ ہے جس سے انسانیت، اخوت، انسان دوستی اور حق پرستی کا ایک منفرد نظریہ جنم لیتا ہے اور یہ فلسفہ اقوام کے درمیان ایک عظیم اور پائیدار رشتہ قائم کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اقبال کے یہاں انسان دوستی کا نظریہ انسان کے ذہنی کمالات کے ساتھ ساتھ خارجی حالات سے مدمقابل ہونے کے بعد اُس کی روحانی قوتوں کا اثبات کرتا ہے۔ علامہ اقبال کا تصور انسانیت، ملت اسلامیہ تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ اُس میں آدم زاد کی پہچان کو دیکھتا تھا۔ وہ جس دور سے گذر رہے تھے وہ انسان سوز اس لیے کہلاتا ہے کیونکہ اس دور میں سامراجی ذہنیت ہر طرف انسانوں کے خون کے درپے تھی اور انسانیت کو تہہ تیغ کیا جاتا تھا ان ہی حالات کو مدِنظر رکھ کر اقبال کے لیے تعمیر آدمیت کا مسئلہ اس لیے بھی شدید تر ہو گیا کیونکہ انسانی اقدار کی پامالی کا دور تھا۔

ابھی تک آدمی صید زبون شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انسان نوع انساں کا شکاری ہے[۲۵]

اقبال اس فلسفہ کے علم بردار تھے کہ انسانیت اور انسانی اقدار کو بچانے کے لیے جدید مغربیت سے دوری از حد ضروری ہے۔ انسانیت لب بام ہے اس کو بچانے کے لیے انھوں نے مغربیت پر کاریِ ضرب لگا کر حقیقت کو آشکار کرنے کی کوشش کی۔

وہ آنکھ کہ ہے سرمہ افرنگ سے روشن
پُرکار و سخن ساز ہے نم ناک نہیں ہے[۲۶]

تو اے مولائے یثربؐ! آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی مرا ایماں ہے زُنّاری[۲۷]

بُرا نہ مان، ذرا آزما کے دیکھ اسے
فرنگ دل کی خرابی، خرد کی معموری[۲۸]

علامہ اقبال جدید ذہنیت پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عقل جو مغربی ذہن سے متاثر ہے وہ تو کبھی حق کے لیے نہیں بول پائے گی۔ مغربی تعلیم نے انسان کو ایک حیوان کی طرح نشو ونما کر کے اس کو انسانی ہمدردی اور اخلاق سے عاری کر دیا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سامراجیت کی وجہ سے ہر جگہ اخلاقی بگاڑ اور سماجی نابرابری اور اقتصادی ظلم پیدا ہوا ہے۔ انسانوں کے درمیان تفریق پیدا کی گئی اور شرم و حیا کو دفن کیا گیا۔ وہ جانتے تھے جب تک انسانی اقدار کا پاس و لحاظ نہ رکھا جائے تب تک وہ کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس لیے وہ پہلے انسانوں کو اخلاقی پستی کی طرف لے جاتے ہیں اور انسان کو بنیادی فرائض سے ناآشنا کر کے اُن کے اندر روحانی بگاڑ پیدا کر کے تاکہ اُن پر اپنا دبدبہ جمائے رکھیں۔ عصرِ حاضر میں مغربیت

کا دبدبہ ہر جگہ اپنی شان و شوکت سے عیاں ہے ۔ عرب ہو یا عجم مسلم یا غیر مسلم ہر ایک کے دل و دماغ پر مغربی زر پرستی کا مکمل اثر ہے۔ مسلمانوں نے تو انفرادی اقدار ہی نہیں بلکہ اپنے مرکز میں مغربیت کو اپنا اور اُس کو اپنا گرویدہ بنا لیا اس لیے ایسے انسانوں کو اقبال مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھ میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟
ہو گئی کس کی نِگہ طرزِ سلَف سے بیزار؟
قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمھیں پاس نہیں[۲۹]

مغربی قوتوں نے جدیدیت کا جو نعرہ دیا جس کی وجہ سے وہ انسانوں کے ذہنوں پر مغربیت کا قلعہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور اُس میں انسانوں کو حصار کر کے ہوس پرستی، عیاشی اور لہو ولعب کے ساتھ ساتھ بے جا اسراف میں مبتلا کر کے ان کے دل سے خوف خدا، انسان دوستی تقویٰ اور پرہیز گاری کے شعور سے ماورا ہو کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے سوشل میڈیا اور بنکاری جال بچھایا کہ ہر زاویے سے انسان اپنے آپ کو مجبور سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ ان چیزوں کے آنے سے پہلے بھی انسان سکون کی زندگی گذار رہے تھے اور انسانی بنیادوں پر ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے جب نشاۃ ثانیہ کے بعد ہر ہمدردی کو تجارت میں بدل دیا گیا ہے تو اس کی منظر کشی کر کے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

مشرق کے خداوند سفیدانِ فرنگی
مغرب کے خداوند درخشندہ فِلزّات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیوان ہے یہ ظلمات
رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بینکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جُوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
بیکاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات[۳۰]

اقبال ایک ہمہ جہت شخصیت تھے وہ صرف روحانی اور مذہبی اقدار انفرادیت کے حامل نہیں تھے بلکہ وہ مذہبی اصولوں کو زندگی کی تمام سرگرمیوں سے وابستہ سمجھتے تھے۔ یہ اس لیے نہیں کہ وہ اس سے نام کمانا چاہتے تھے بلکہ وہ شاعری کے ذریعے اسلام کے انسان دوست اصولوں کی حقیقت کو اُجاگر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ اپنے مشاہدات اور خدائی الہامات سے سرشار ہو کر اس نتیجے پر پہنچے کہ بہتر اور انسان دوست زندگی گذارنے کے لیے ایک سچے دین کو اپنانا ضروری ہے جو خودی کو اُجاگر کر سکتا ہے ورنہ دور حاضر میں پوری انسانیت ایک ہجوم اور گمراہ کارواں کی طرح بھٹک جائے گی اور منزل مقصود تک نہیں پہنچ پائے گی۔ اس لیے اپنے اندر حق پرستی کا جذبہ خودی کے سبق سے ہی حاصل ہوسکتا ہے:

خودی شیر مولا جہاں اس کا صید
زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید
یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی[۳۱]
فطرت کو دکھایا بھی ہے، دیکھا بھی ہے تُو نے
آئینہ فطرت میں دِکھا اپنی خودی بھی[۳۲]
آسماں میں راہ کرتی ہے خودی
صیدِ مہر و ماہ کرتی ہے خودی[۳۳]

علامہ اقبال نے انسانی فطرت کو خطاب کر کے اُس کے ضمیر کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اس لیے انفرادی اور اجتماعی سطح پر انسان کو اپنے زندہ ضمیر کی آواز سننی چاہیے جو دین الٰہی پر قائم و دائم رہے گا وہی خودی پر قائم رہے گا کیونکہ اسی میں شعور اور سچائی ہے۔ تعمیر انسانیت کے لیے علامہ اقبال نے اس کو رول ماڈل کا درجہ دیا ہے۔ اس سے انسان حقیقی جاودانی سے روشناس ہو جاتا ہے۔ عقل اور عمل دونوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور قربِ الٰہی سے انسان کائنات کی سیر کر کے سچائی سے آشکار ہو جاتا ہے۔ اس اعلیٰ مقام تک رسائی حاصل کرنے کے لیے جو نسخہ کیمیا خدا نے نازل کیا اس پر غور و فکر کرنے سے انسان سچائی کے حیرت انگیز کارناموں سے باخبر ہو جاتا ہے۔ انسان دوسرے انسان کے درد کو محسوس کرنے لگتا ہے اور زندگی کی کشمکش میں کبھی اس کو نا اُمیدی اور پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ خودی کے بھروسے جینے والے ہر مشکل کو آسانی سے پار کرتے ہیں۔ علامہ اقبال اس کو یوں پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تری زندگی اسی سے تری آبرو اِسی سے
جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی[۳۴]

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رومی کبھی پیچ و تابِ رازی[۳۵]

آدمیت کی تعمیر کے لیے تدبُّر اور عرفان کی اشد ضرورت ہے۔ نظمِ الٰہی میں انسانوں کی راحت ہے اس شرط کے ساتھ کہ اس پر بھروسہ کرے اس کی اطاعت کرے کیونکہ انسانیت کی تکمیل اور بقاء باہمی کے لیے اپنے ماحول کو اخوت سے تعمیر کریں۔ جدید نسل کی تعمیر کے لیے انسانوں کے درمیاں سچائی، حقیقت پسندی اور حُبِ انسان کو اپنا شعار بنالیں۔

امارت کیا، شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زورِ حیدری تجھ میں، نہ استغنائے سلمانی
نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلّی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی
عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
اُمیدِ مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں[۳۶]

علامہ اقبال نے بارہا اپنے کلام میں جدید مغربی تہذیب اور اس کے سرمایہ داری نظام کو تنقید کا نشانہ بنایا کیونکہ انھوں نے سچائی اور انسانی بہبود کا پرچم اُٹھا رکھا تھا وہ نہ دلّی، نہ صفاہاں، نہ سمرقند سے وابستہ کیا بلکہ فطرت کے علم بردار تھے۔ وہ ضربِ کلیم میں لکھتے ہیں:

مشرق سے ہو بیزار، نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر![۳۷]

علامہ اقبال نے جس دور میں ہوش سنبھالا اُس وقت انسانیت مادہ پرستی اور سامراجیت کے شکنجوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ سرمایہ دارانہ نظام نے انسانی روح کو پامال کر کے انسانی جسم کو مشین کے روپ میں تبدیل کیا۔ علاوہ ازیں اشتراکیت نے بھی انسان کو روحانی اقدار سے آزاد کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اس کشمکش کو دیکھ کر علامہ اقبال لب کشائی کرنے پر مجبور ہو گئے۔

دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم![۳۸]

اشتراکیت اور سرمایہ داری فلسفہ نے انسانوں کو ہوس کا پجاری بنا کر نفس کی غلامی میں جکڑ کر رکھ دیا۔

حق سے بیگانہ کر کے ظالم اور وحشی بنا دیا۔ علامہ اقبال نے اِن فلسفوں کا بغور مطالعہ کر کے اِن کو انسان سوز قرار دیا اور اِن سے نجات حاصل کرنے کے لیے شرعی زندگی گزارنے کو ترجیح دے کر اور اس کو بہترین نظام حیات قرار دیا۔ اُن کے نظریہ تعمیر انسانیت سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ وہ اسلامی نظام حیات سے متاثر ہو کر انسان کی قدر دانی کے متولی ہو گئے جو خود پسندی اور خود غرضانہ سوچ جیسے غیر فطری اصولوں سے بالاتر ہے۔ قانون شریعت انسانوں کو ایک دوسرے کے ہمدرد کے طور دیکھنا چاہتا ہے اس لیے اقبال دکھاوے کی شریعت کے قائل نہ تھے بلکہ وہ شریعت کو انسانی زندگی کا مقصد مانتے تھے اس لیے وہ فرماتے ہیں:

پابندیِ احکامِ شریعت میں ہے کیا؟
گو شعر میں ہے رشکِ کلیمِ ہمدانی[۳۹]

ایک اچھا انسان بننے کے لیے انسانی ہمدردی کو اپنانا ضروری ہے۔ کیونکہ حقوق اللہ کے بعد سب سے اہم حقوق العباد ہیں۔ انھوں نے حقوق العباد پر پوری توجہ مرکوز کی تھی وہ فرماتے ہیں:

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے[۴۰]

نظریہ انسانیت کلام اقبال کا شعار ہے جس کو آیت قرآن سے اخذ کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون (سورۃ آل عمران: ۹۲) تم تقویٰ کے عظیم درجے تک نہیں پہنچ سکتے ہو جب تک اپنی محبوب چیز اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ تقویٰ کا مدار خالی آرام و آسائش یا مال و دولت میں نہیں ہے بلکہ اس کا معیار انسانی کی محبوب ترین چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں ہے یہ دیکھا گیا کہ دنیا میں مختلف لوگوں کے مختلف مزاج کی بنیاد پر چیزوں کے ساتھ لگاؤ کی وجہ ہوتی ہے اس لیے انسانیت کو پرکھنے کی بنیاد کسی برائے محتاج انسان پر خرچ کرنے سے معلوم ہو جاتی ہے اس لیے علامہ اقبال کا کہنا ہے کہ انسان مظلوم و مجبور انسان کے آنسوؤں کی قدر پہچانیں اور اُن آنسوؤں کی روشنی میں اپنے آپ کو پرکھنے کی کوشش کریں۔

کسی پیشانی کے افشاں کے ستاروں میں رہوں
کسی مظلوم کی آہوں کے شراروں میں رہوں[۴۱]

علامہ اقبال کو شرح صدر تھا اس بات پر کہ مروّت محبت اور اخوت سے سکون اور دلی تسکین حاصل ہوتی ہے اور اس کا پھل انسان کو عالم بالا تک پہنچنے میں مددگار ہے۔ محبت کی زبان سمجھنے کے لیے فکر مسلمانیت ضروری ہے اُن کا ماننا ہے کہ مسلمانیت انسان کو کمال جنون تک پہنچاتی ہے حقائق سے پردہ اُٹھا کر دنیائی رازوں کی معراج کروائی جاتی ہے۔ اس بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں:

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایت اندیشہ و کمال جنوں
حقائق ابدی پر اساس ہے اس کی
یہ زندگی ہے، نہیں طلسم افلاطوں[۴۲]

اقبال نے انسانوں خاص کر مسلمانوں کے ضمیر کو جگانے کے لیے جن الفاظ کا انتخاب کیا ہے ''نہایت اندیشہ و کمال جنوں'' اگر لفظ اندیشہ کو حقیقت کے آئینے میں پرکھنے کی کوشش کریں گے تو اس کا مطلب فعلیت عقل جب کہ ''جنوں'' کا مطلب بے تحاشہ محبت اس لیے اس کو ''حقائق ابدی'' پر اگر جانچیں گے تو مسلمان کو حق تعالیٰ کے ساتھ اتم درجے کی محبت ہوتی ہے۔ علامہ اقبال کے تصور کمال جنون کو قرآن کریم کی تائید حاصل تھی۔ ''اور کچھ لوگ اللہ کے سوا اور معبود بنا لیتے ہیں انھیں اللہ کی طرح محبوب رکھتے ہیں اور ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔۔۔ (البقرہ: ۱۶۵) حُب الٰہی اصل میں شعور کی بیداری ہے جس کو علامہ اقبال نے دانش برہانی، پہچان، سلیقہ، زیرکی اور تمیز سے تعبیر کیا ہے اگر یہ چیزیں حاصل نہیں تو ذاتی مفادات انسان پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ جب انسان ذاتی مفادات کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیتا ہے اور اللہ کے احکام اور اللہ کو چھوڑ کر انسانوں کی غلامی اختیار کرتا ہے تو حق مفقود ہو جاتا ہے، سچائی دب کے رہ جاتی ہے تو شعور حیوانیت کے مقام پر کھڑا ہو جاتا ہے جس سے انسانیت کو طرح طرح کے مظالم سہنے پڑتے ہیں اس لیے اربابِ جنوں کی رفاقت ضروری ہے:

پیدا ہے فقط حلقہ اربابِ جنوں میں
وہ عقل کہ پاجاتی ہے شعلے کو شرر سے[۴۳]

جب تک انسان ایک دوسرے سے بہتر سلوک نہ کرے اور ایک دوسرے کو اپنے برابر نہ مانے تو انسان اسفل سافلین کے درجے سے باہر نہیں آ سکتا ہے۔ حق بات یہ ہے کہ ظاہری اسباب سے انسان خاص کر مسلمان کمال جنوں تک نہیں پہنچ سکتا ہے جب تک اُس کے شعور میں جذبہ ایمان اور جذبہ انسانیت سما نہیں جاتا وہ ایک اچھا انسان نہیں ہو سکتا ہے۔ لاالٰہ الا اللہ شعور کا نام ہے، سچائی کا مغز ہے، انسان کو انسان بنانے والا آلہ ہے، اگر اس کو سرسری طور لیا جائے تو یہ زبانی دعوے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے:

خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں[۴۴]

علامہ اقبال نے اسی تصور کو خیر سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اس کا مقصد معاشرتی سطح پر صفت الٰہی کے فیضان کو عام کرنا ہے انسانوں کے درمیاں اُخوت، بھائی چارہ، ہمدردی، غمگساری، اور تقویٰ الٰہی کو عام کرنا

ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

مسلمان کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا
مروّت حسن عالم گیر ہے مردانِ غازی کا[۴۵]

عصرحاضر میں اگرانسانوں اورمسلمانوں میں خاص کرکسی چیز کی کمی ہے تو وہ اخلاص، ہمدردی اور انسان سازی کی ہے اگر ہم ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھیں اور انھی چیزوں کو دل و دماغ کا ساز وسوز بنائیں تو اُمید ہے انسانیت پھر زندہ ہو جائے گی اس بارے میں علامہ اقبال اللہ سے دُعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

دِلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر
حریمِ کبریا سے آشنا کر
جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے
اُسے بازُوئے حیدرؓ بھی عطا کر[۴۶]

علامہ اقبال نے جوتصورانسانیت پیش کیا ہے وہ کوئی انھونی اورعجیب شےنہیں ہے بلکہ زمانہ حاضر کی اشد ضرورت ہے تاکہ سچائی اورضمانت اصول پرستی پرمبنی ہواس کی گہرائی میں اُتر کر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اُن کے تصورانسانیت کا بنیادی مقصد دل نوازی اوراصول انسانیت پرکار بند رہنا اتنا ضروری ہے جتنا جسم میں جان کی ضرورت ہے کیونکہ ایسے ہی طرزفکر سے ایک انسان دوسرے انسان کا دردمحسوس کرسکتا ہے۔ اس سوزِ زندگی کو علامہ اقبال نےصفت عظیم سےتعبیر کیا ہے۔ اس لیےعبدالقادر کے نام کے ایک نظم میں وہ لکھتے ہیں کہ:

شمع کی طرح جیئں بزم گہِ عالم میں
خود جلیں، دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں[۴۷]

عصرحاضر کے نظام ہائے زندگی خاص کرنظام سیاست واقتصادیات ایک دوسرے کے بغیر کھڑا نہیں رہ سکتے ہیں، انسان کوحق پرستی کے بجائے نفس پرستی اختیار کرنے کے لیے اُبھارتے ہیں اس لیےفکراقبال میں انسان کی تربیت خالصتاً اسلام کے بنیادی ماخذ سے ممکن ہے۔ اسلامی اخوت ہی انسانیت کی بقا کے لیے اہم اورضروری ہے کیونکہ اسی سے افراد کی تعمیرممکن ہےاوراسی سے وجود میں آنے والی قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکتی ہے۔ اس افرادسازی کی مثالیں اسلامی تواریخ میں بیشمار ملتی ہیں،حضرت خالد بن ولید کا واقعہ اس میں بہت زیادہ رہنمائی کرسکتا ہے ۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے اِن کو امیر فوج کے منصب سے دستبردار کیا تو حضرت خالد نے بغیر چوں چرا قبول کیا ہے حالانکہ اُن کی قیادت میں مسلمانوں کو بہت زیادہ فتوحات اللہ کی مدد سے حاصل ہوئی تھیں۔ انھوں نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ اس منصب کے لائق میں اکیلا

ہی ہوں اور میری وجہ سے بہت فتوحات حاصل ہوئی ہیں۔ عصر حاضر میں مسلمان ممالک یا اسلامی جماعتوں کے لیے اس میں جھنجوڑنے والا درس ہے۔ موجودہ دور کی سیاسی یا اقتصادی کشمکش میں ملوث افراد کے لیے تاریخ اسلامی میں اور بہت سی نمایاں مثالیں موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ پر دنیا کی حیثیت اور اخروی زندگی کی اہمیت واضح ہو چکی تھی۔ اُن کو اللہ تعالیٰ کے کلام کی رہنمائی پر سو فیصد ایمان تھا اس وقت بھی یہ سو فیصد حاصل ہو سکتا ہے جب یہ تصور ہو کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور انسان کو آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہے جیسے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''بے شک دنیا انسان کے لیے پیدا کی گئی اور انسان آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔''[۴۸] ایسے ہی لوگ انسان دوست بستیاں قائم کر سکتے ہیں اس لیے علامہ اقبال نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ:

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سُوئے کوفہ و بغداد
یہ مدرسہ، یہ جواں، یہ سُرور و رعنائی
انھی کے دم سے ہے میخانہ فرنگ آباد
نہ فلسفی سے، نہ مُلّا سے ہے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت، وہ اندیشہ و نظر کا فساد[۴۹]

موجودہ دور میں انسان جس قرب و جوار میں مبتلا ہے اس سے انسانوں کے درمیان ایک خلیج پیدا ہوئی ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو فساد، افراتفری، تقابل اور کشمکش محض انسانی ذہن کی پیداوار ہے۔ حب دنیا اور حرص مال نے انسان کو اندھا کر دیا۔ یہ وہ نظریہ زندگی ہے جس سے انسان کی زندگی اجیرن بن چکی ہے، لوٹ مار کا بازار گرم ہے اور ہر سو افراتفری کا ماحول ہے۔ زندگی کو بہتر بنانے کے لیے مختلف سائنسی علوم سیکھنا ضروری ہے اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج کو سماج کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرنا لازمی ہے۔ علامہ اقبال نے جہاں سائنسی زندگی کی حوصلہ افزائی کی ہے وہیں سامراجی فلسفہ سے بھی باخبر کیا اور اُس کو انسانیت کے لیے سم قاتل قرار دیا ہے۔ انھوں نے سامراجی نظام زندگی کو ہوس پرست اور انسانیت سے عاری قرار دیا ہے۔ اس سے پیدا ہونے والے سماج پر مضر اثرات سے باخبر کیا ہے۔ سامراجی فلسفہ سے پیدا ہونے والی نئی پود غلامی کی متحمل ہے اور اس سوچ کی وجہ سے نئی سوچ اور نئی قیادت پیدا نہیں ہو سکتی ہے۔ مسلم سماج پر مسلط ہونے والے معاشی، سماجی اور نفسیاتی اثرات سے یہ روز بروز زوال پذیر ہے۔ اس لیے انسانیت کو زوال پذیری سے بچانے کے لیے نوآبادی سوچ سے دست برداری ضروری ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزاد وطن صورت ماہی[۵۰]

خودی توحید کا راز ہے کیونکہ اس سے رنگ و بو کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے اس لیے اس بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ:

خودی سے اس طلسم و رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا[۵۱]

انسان کے اندر جو آتش ہے اگر اس کو انسانیت کی خدمت کے لیے استعمال کیا جائے اور ذوقِ انسانیت کی تسکین کے لیے اگر فروغ دیا جائے تو وہ فرد نہیں بلکہ انسانوں پر مبنی انجمن وجود میں آسکتی ہے اس لیے علامہ اقبال اپنے کلام کے ذریعے انسان کے اندر سچائی کی آگ کو دوام بخشنا چاہتے ہیں تا کہ اس کے اندر بسی رچی آدمیت کی روح جاگ جائے اور وہ اپنی اصل پر کھڑا ہو سکے۔ اگرچہ علامہ اقبال نے لفظ آدمیت کا انتخاب کیا مگر اسلام کے نظام حیات کی چھاپ اُن پر بہت ہی گہری تھی۔ انھوں نے مناسب سمجھا کہ تہذیب حاضر کے پرستار نوجوان تقلید سامراجی میں اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں اس لیے لفظ انسانیت کا تصور ایک وسیع فلسفہ کا متحمل ہے اس میں گرچہ مغلوبیت کا کوئی امکان نہیں ہے مگر قوموں میں جب مفادات کی جنگ شروع ہو جاتی ہے تو سیاسی کھلبلی پیدا ہوتی ہے۔ اس طرز عمل سے ظالم قوتیں وجود میں آجاتی ہیں۔ جب ایسی طاقتیں قومی منصب پر براجمان ہوتی ہیں تو انصاف ماند پڑ جاتا ہے، مساوات ختم ہو جاتی ہے اور انسانیت دم توڑ دیتی ہے۔ اس طرح بیرونی طاقتیں قوموں پر غالب آ جاتی ہیں اور اندورنی جاگیرداروں، منصب داروں اور رؤسا کا دبدبہ بڑھ جانے کے بعد سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتی ہے۔ وہ کاشتکار جنھوں نے جاگیرداروں اور بڑے بڑے زمینداروں کے پنجہ آہنی سے نجات پائی تھی وہ زمینوں کو چھوڑ کر کارخانوں میں مزدور بن کر روز افزوں بڑی تعداد میں بھرتی ہو جاتے ہیں اور وہاں اُن کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جاتا ہے۔ اب پھر انسانیت لبِ دام پر کھڑی سسکیاں لینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

ابھی امکاں کے ظُلمت خانے سے اُبھری ہی تھی دنیا
مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پہنائے عالم سے[۵۲]

اس طرح یہ طبقہ ایک قسم کی غلامی کے مقابلے میں بدتر اور انسانیت کش غلامی کے دلدل میں گرفتا ہو کر مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کا واضح ثبوت صنعتی انقلاب کی ابتدا کے بعد انگلستان سے ملتا ہے۔ کارخانہ داروں کی بے دردی اور ظالمانہ زر اندوزی نے مزدوروں کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کو پڑھ کر

رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ہمارے کافرانہ سرمایہ اندوز انسانیت کا کوئی صحت مند عضو نہیں بلکہ انسانوں کی شکل میں رہزن ہیں۔

تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیّت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں[۵۳]

فریبی بحکمت مرا اے حکیم
کہ نتواں شکست ایں طلسم قدیم
مس خام را از زر اندودہ
مرا خوے تسلیم فرمودہ[۵۴]

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ انگریزی سامراج کے زوروں میں کس طرح یہاں کے آزاد بھی گرفتار تھے۔ ایسی حالت میں اقبال کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ آزادی کے لیے جدوجہد کی جائے اور یہ اعتماد پیدا ہو کہ میں اپنے کلام سے قوم کو خودداری کی تعلیم دے کر اوران کی رگ حمیت کو جوش میں لا کر، اسے استبداد کے پنجوں سے رہائی دلاسکیں:

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا[۵۵]

اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اقبال نے انسانیت کے لفظ کو منتخب کیا تاکہ حق تک رسائی کسی اندورونی خلفشار اور باہمی رسہ کشی کے بغیر ہو سکے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مغرب زدہ لوگ اسلامی اصطلاحات کے استعمال سے اُن کو ہدف تنقید بنا سکتے تھے اس لیے عام اور وسیع استعمال میں کہا جاتا ہے کہ انسانیت ایسا تصور ہے جو انسان کو دوسرے انسان سے گرچہ مختلف مگر ہمدرد بنا دیتی ہے یہ انسان کے اندر شعور اور صحیح وغلط میں فرق کرنے کی تمیز پیدا کرتی ہے۔

❁...❁...❁

حوالہ جات وحواشی

۱- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، شمع، بانگ درا، غلام علی اکادمی، ۲۰۱۸، ص۶۷/۴۵
۲- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، مسجد قُرطبہ، بال جبریل، غلام علی اکادمی، ۲۰۱۸، ص۴۲۸/۳۹۳
۳- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، طلوع اسلام، بانگ درا، ص۳۰۴/۲۷۳

۴- جاوید نامہ، نظم (خلافت آدم) اقبال اکاڈمی، پاکستان، لاہور، ۱۹۸۲، ص ۔ ۶۹
۵- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، بانگ درا، ص ۲۲۲/ ۱۱۵
۶- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، آزادی فکر، ضرب کلیم ۔ ص ۵۸۹/۳ ۵۷
۷- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، عصر حاضر، ضرب کلیم، ص ۵۹۴/۳ ۵۴
۸- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، رام، بانگ درا، ص ۲۰۵/ ۱۷۷
۹- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، فرمانِ خدا: فرشتوں سے، بال جبریل، ص ۴۳۴/ ۴۰۱
۱۰- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، جوابِ شکوہ، بانگ درا، ص ۳۲۳/ ۲۰۳
۱۱- ایضاً، ص ۲۳۰/ ۲۰۱
۱۲- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، تصویر درد: بانگ درا، ۱۶۷/ ۱۴۱
۱۳- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، پس چہ باید کرد، سیاسیات حاضرہ، مکتبہ دانیال، لاہور، ص ۹۶۱، پروفیسر غلام سرور رانا، علامہ اقبال رحمۃ اللہ اور تصوف ۔
۱۴- رابعہ سرفراز، اقبال کے اجتہادی تصورات، قومی زبان، کراچی، نومبر ۲۰۰۸، ص ۲۰۔۱۴
۱۵- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، حکایت شیخ و برہمن و مکالمہ گنگ و ہمالہ در معنی اینکہ تسلسل حیات ملیہ از محکم گرفتن روایات مخصوصہ ملیہ می باشد، اسرار خودی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص ۱۰۵
۱۶- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)،، جاوید نامہ، طاسین گوتم، توبہ آوردن زن رقصہ عشوہ فروش،
17- Sir Allam Muhammad Iqbal, *Reconstructuin of the Religious Thought in Islam*, Kitab Bhavan, 2016, p.66
۱۸- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، بانگ درا، وطنیت، (یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصور)، اردو اکادمی لاہور، ۲۰۱۸ء، ۱۸۸/ ۱۶۱
۱۹- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، ضرب کلیم، ص ۶۹۰/ ۶۳۹
۲۰- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، بانگ درا، ص ۱۰۰/ ۱۷
۲۱- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، بال جبریل، ص ۳۵۹/ ۳۱۳
۲۲- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، بال جبریل، ص ۳۹۶/ ۳۶۲
۲۳- وحیدالدین خان، تعمیر انسانیت، گڈ ھ وارڈ بکس پرایویٹ لمیٹڈ، نویڈا، ۲۰۰۶، ص ۴۱
۲۴- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، مارچ ۱۹۰۷، بانگ درا، ۱۶۷/ ۱۴۱
۲۵- ایضاً، ص ۳۰۵/ ۳۷۴
۲۶- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، بال جبریل، غلام علی اکادمی، ۲۰۱۸، ص ۳۶۹/ ۳۲۵
۲۷- ایضاً، ص ۳۷۶/ ۳۳۰
۲۸- ایضاً، ص ۳۷۵/ ۳۳۵
۲۹- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، بانگ درا، جوابِ شکوہ، غلام علی اکادمی، ۲۰۱۸، ص ۲۲۳/ ۲۰۴
۳۰- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، بال جبریل، غلام علی اکادمی، ۲۰۱۸، ص ۳۹۹/ ۴۳۲

۳۱- ایضاً،ص۴۵۶/۴۲۰
۳۲- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)،ضربِ کلیم، غلام علی اکادمی، ۲۰۱۸،ص۶۳۶/۵۸۶
۳۳- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، بالِ جبریل، غلام علی اکادمی، ۲۰۱۸،ص۴۶۹/۴۳۲
۳۴- ایضاً،ص۳۸۱/۳۳۷
۳۵- ایضاً،ص۳۵۶/۳۰۹
۳۶- ایضاً،ص۴۴۵/۴۱۲
۳۷- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)،شُعاعِ اُمید: ضربِ کلیم، غلام علی اکادمی، ۲۰۱۸،ص۶۲۱/۵۷۱
۳۸- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)،ضربِ کلیم، غلام علی اکادمی، ۲۰۱۸،ص۳۶۹/۳۲۵
۳۹- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، بانگِ درا، غلام علی اکادمی، ۲۰۱۸،ص۹۱/۵۹
۴۰- ایضاً،ص۶۶/۳۵
۴۱- ایضاً،ص۱۲/۸۵
۴۲- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)،ضربِ کلیم، غلام علی اکادمی، ۲۰۱۸،ص۵۶۲/۵۱۰
۴۳- ایضاً،ص۵۵۵/۵۰۴
۴۴- ایضاً،ص۵۴۷/۴۹۷
۴۵- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، بالِ جبریل، غلام علی اکادمی، ۲۰۱۸،ص۳۷۰/۳۲۳
۴۶- ایضاً،ص۳۴۶/۳۰۱
۴۷- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)،عبدالقادر کے نام، بانگِ درا، غلام علی اکادمی، ۲۰۱۸،ص۱۸/۱۳۲
۴۸- رواہ بیہقی فی شعب من رواۃ الحسن
۴۹- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، بالِ جبریل، غلام علی اکادمی، ۲۰۱۸،ص۴۰۰/۳۶۲
۵۰- ایضاً،ص۱۸۷/۱۶۰
۵۱- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، بانگِ درا، غلام علی اکادمی، ۲۰۱۸،ص۳۶۱/۳۱۴
۵۲- ایضاً،ص۳۰۲/۲۷۱
۵۳- ایضاً،ص۱۳۷/۱۱۱
۵۴- محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، محاورہ مابین حکیم اگسٹس کومٹ و مرد مزدور حکیم، پیامِ مشرق